اللہ اپنے آپ کو بصائر سے ظاہر کرتا ہے
آنحضرتؐ تمام بصیرتوں کے منبع ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ /اگست ۱۹۸۲ء بمقام اوسلو ناروے)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۳﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۵﴾ (الانعام: ۱۰۵-۱۰۳)

اور پھر فرمایا:

ناروے ایک ایسا ملک ہے جسے اللہ تعالیٰ کی قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ حسن عطا فرمایا ہے۔ یہاں کی بل کھاتی ہوئی سڑکیں ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نیا جلوہ پیش کرتی ہیں۔ یہاں پہاڑوں کی بلندیوں پر آسمان سے باتیں کرتی ہوئی جھیلیں نظر آتی ہیں اور سطح سمندر میں ڈوبتے ہوئے سر بفلک پہاڑ دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں پتے پتے میں ایک دل نوازی ہے۔ یہاں گھنے جنگلات ہیں جن کے سائے تسکین بخش ہیں۔ یہاں ہوائیں ہلکی سروں میں گیت گاتے ہوئے چلتی

ہیں ۔ یہاں پہاڑوں کی ایسی چوٹیاں ہیں جن کی سطح مرتفع گھاس سے لدی ہوئی ہے اور کوئی درخت دیکھنے کو نہیں ملتا لیکن چٹانوں کو بھی خوبصورت رنگوں کی کائیوں نے بڑے حسین لبادے عطا کر رکھے ہیں ۔ یہاں Afloat کے اندر سمندر میں پانی کی جو جھیلیں پہاڑوں کی وادیوں نے بنا رکھی ہیں ، آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ سمندر کے سینے میں اتر آئے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ بڑے پیار کے ساتھ ہمیشہ ان پانیوں کا نظارہ کرتے ہیں جنہوں نے انہیں اپنے دل میں اتار رکھا ہے۔حسن کی یہ ساری کائنات فرداً فرداً بھی اور اپنی اجتماعی شکل میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور قرآن کریم کی اس آیت کی طرف توجہ منتقل ہو جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۵﴾ (بنی اسرائیل:۴۵)

کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو خدا کے حمد کے گیت نہ گا رہی ہو اور اس کی پاکیزگی بیان نہ کرتی ہو وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ لیکن اے غافل انسان تو اس تسبیح کو نہیں سمجھتا ،اس تسبیح سے غافل ہے جو کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے رب کی حمد میں گا رہا ہے۔اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا پھر بھی تمہارا رب بہت ہی بردبار ہے۔ وہ بڑے حوصلے سے تمہاری بے پرواہیوں کو برداشت کرتا ہے اور تمہارے گناہوں کی بخشش فرماتا ہے۔

پس یہ وہ دنیا ہے جہاں کائنات کا ذرہ ذرہ اس آیت کے بیان کے مطابق حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتے ہوئے ان کانوں کو سنائی دیتا ہے جو ان کے سننے کی طاقت رکھتے ہیں ۔ان آنکھوں کو دکھائی دیتا ہے جو دیکھنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ ہاں ایک چیز جو حمد سے کلیتہً خالی اور عاری دکھائی دیتی ہے اور وہ یہاں بسنے والے انسانوں کے دل ہیں۔ میں نے حیرت سے اس نظارہ کو دیکھا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ ان جنتوں میں ایسے سینے ہیں جو صحرا بسینہ ہیں۔ وہ ویرانوں کو اپنے سینوں میں سمیٹے پھرتے ہیں۔ان وادیوں میں ،اس حسن کے نظاروں میں ایسے دل ہیں جو خدا کی یاد سے کلیتہً عاری ہو کر ویرانوں کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی میری توجہ ربوہ کے ان بسنے والوں کی طرف مبذول ہوئی جنہوں نے

ابھی کچھ دن پہلے ایک نہایت ہی کڑے رمضان کا زمانہ گزارا۔ان میں سے اکثر غریب لوگ ہیں۔ ان کے پاس آسائش کے سامانوں کا تو کیا ذکر روزمرہ کی زندگی کی ادنیٰ ضرورتیں بھی میسر نہیں ۔دن بھر مکھیاں انہیں ستاتی ہیں اور رات کو مچھروں کا شکار رہتے ہیں۔ دن کو دھوپ کی گرمی اور رات کو مچھروں کی ایذا سے نہ ان کو دن کو نیند آ سکتی ہے نہ رات کو نیند آتی ہے۔ بڑی مشکل کی زندگی بسر کرتے ہوئے بھی ان کے سینوں میں خدا بسا ہوا ہے۔ وہ ان تکلیفوں سے کلیتہً بے نیاز ہیں اور رمضان کی کڑی آزمائش میں بڑی شان کے ساتھ پورے اترنے والے لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا ان مسجدوں میں جن میں شدید گرمی کے باعث اندر داخل ہوتے ہوئے بھی پسینے آتے تھے، نہ وہ دن کو ٹھنڈی ہوتی تھیں نہ رات کو ٹھنڈی ہوتی تھیں۔روزہ داروں کے بدن کے پانی سوکھ جاتے تھے لیکن پھر بھی خدا کی محبت میں ان کے آنسو سجدہ گاہوں کو تر کر دیتے تھے۔

پس یہ بھی ایک نظارہ میرے سامنے آیا اور میں تعجب اور حیرت میں ڈوب گیا کہ وہ جگہیں جہاں خدا زیادہ یاد آنا چاہئے۔ جہاں اللہ نے زیادہ فیاضی کا سلوک فرمایا ہے، وہ جگہیں تو خدا کی یاد سے خالی ہوں لیکن وہ جگہیں جو آزمائشوں میں مبتلا ہیں، ان جگہوں میں اللہ بس رہا ہو۔ گویا ویرانوں میں ایسے سینے ہیں جہاں جنتیں بس رہی ہیں اور جنتوں میں ایسے سینے ہیں جہاں ویرانے آباد ہیں۔ آخر کیوں ایسا ہوا۔کیوں انسان کی توجہ ان نظاروں کو دیکھ کر اپنے رب کی طرف مبذول نہیں ہوتی۔ یہ سوچتے ہوئے میری توجہ قرآن کریم کی ان آیات کی طرف پھر گئی جو سورۂ انعام میں ساتویں پارے کے آخری دو رکوع کے اندر پائی جاتی ہیں یعنی سورۂ انعام کا وہ حصہ جو ساتویں پارہ کے آخری دو رکوع پر مشتمل ہے۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ اسی قسم کے فطرتی حسن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۶﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۷﴾ (الانعام: ۹۶-۹۷)

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ اللہ تعالیٰ گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے اور بیجوں کا دل چیرنے والا ہے۔ان میں سے نئی نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں اور زندگی کی نئی شکلیں نمودار ہوتی

ہیں۔ وہ موت سے زندگی نکالنے والا ہے اور زندگی کو موت میں داخل کرتا رہتا ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ ہے تمہارا اللہ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ اس کو چھوڑ کر اس سے پیٹھ پھیر کر کہاں چلے جا رہے ہو۔ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ اس نے رات کو تمہارے لئے ذریعہ تسکین بنایا اور خود رات بھی ایک سکینت کا منظر پیش کرتی ہے۔ ساکن رات دلوں کے لئے اطمینان کا پیغام لے کر آتی ہے وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ اور ہمیشہ ایک دائروی گردش میں گھومتے ہوئے سورج اور چاند اپنی رفتاروں میں ایسے معین، ایسے قطعی اور ایسے غیر مبدل ہیں کہ وہ تمام انسانوں کے لئے حساب جاننے کا ایک ذریعہ بن گئے ہیں۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یہ سب تقدیر اس ذات کی ہے جو غالب بھی ہے اور سب کچھ جاننے والی بھی۔

ان آیات کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہوئے میں وہاں تک پہنچا جہاں بالآخر خدا نے ان تمام محرکات اور پس پردہ اصول کا ذکر فرمایا ہے جو زندگی کے ہر قسم کے حسن کا باعث بنتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ نے ایسے حسن کا بھی ذکر فرمایا جو نا روے میں پایا جاتا ہے اور ایسے حسن کا بھی جو صحراؤں میں پایا جاتا ہے۔ ایسے حسن کا بھی ذکر فرمایا جو خشکیوں میں پایا جاتا ہے اور ایسے حسن کا ذکر بھی جو سمندروں اور سطح آب پر پایا جاتا ہے۔ غرض ان تمام محرکات کا ذکر فرمانے کے بعد جو حسن کی ہر قسم کی پیداوار کا باعث ہیں اچانک خدا نے اپنی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ (الانعام: ۱۰۳) یہ ہے تمہارا رب جو ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ تمام حسن کا سرچشمہ اور ہر نور کا منبع ہے۔ اس سے ہر وہ چیز پھوٹتی ہے جو زندگی بخش ہے۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کا وہ خالق نہ ہو فَاعْبُدُوْهُ پس اسی کی عبادت کرو وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد پھر مجھے مزید تعجب یہ ہوا کہ جب خدا تعالیٰ خود ان تمام نظاروں کے طبعی نتیجہ کے طور پر عبادت کی طرف توجہ دلاتا ہے گویا یہ فرما رہا ہے کہ یہ سارے نظارے میری طرف انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ تم کیوں ان اشاروں کو نہیں دیکھتے؟ کیوں میری عبادت نہیں کرتے؟ مجھے تعجب اس بات پر ہوا کہ اتنی بے شمار انگلیوں کے باوجود انسان ان کے پیغام کو سمجھتا کیوں نہیں۔ ان کے رخ کو دیکھتا کیوں نہیں۔ اے میرے خدا! مجھے تو اس کا جواب چاہئے تھا۔ میں تو اس فکر میں غلطاں

تھا کہ اس میں حکمت کیا ہے۔ کیوں ان لوگوں کو تو دکھائی نہیں دے رہا۔لیکن جب اگلی آیت پر میری نظر پڑی تو میرے سارے مسائل کا حل مجھے اس میں مل گیا۔اللہ تعالیٰ اس کے معاً بعد فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۴﴾

کہ اے ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والو! تمہاری آنکھوں میں یہ مقدرت نہیں کہ اس کو دیکھ سکو ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچا کرتا ہے جب تک وہ اپنے آپ کو نہ دکھائے یا اپنے چہرہ سے پردہ نہ اٹھائے کسی آنکھ میں طاقت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے۔

پس یہ آیت ایک عظیم الشان فلسفہ کو بیان کرنے والی ہے۔اس میں ایک بڑا ہی وسیع مضمون بیان ہوا ہے۔اس کا یہاں مختصراً ذکر کرنے کے بعد پھر میں آگے بڑھوں گا۔

مذہبی اور غیر مذہبی اہل فکر کے درمیان بہت پرانی ایک بحث چلی آئی ہے۔مذہبی اہل فکر خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، خدا کو جس شکل میں بھی وہ مانتے ہوں، وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خدا ظاہر ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مذاہب پھوٹتے ہیں۔جبکہ غیر مذہبی قومیں یہ خیال کرتی ہیں کہ خدا کوئی نہیں وہ ظاہر نہیں ہوتا۔قانون قدرت انسانی ذہن کو ایک ماوراء الوریٰ ہستی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، حقیقت میں کوئی وجود نہیں یہ تو انسان ہے جو بس سوچنے لگ جاتا ہے مرعوب ہو کر نظاروں سے، ہیبت زدہ ہو کر بجلی کی کڑکوں سے، متاثر ہو کر خوفناک جانوروں سے اور مسحور ہو کر خوبصورت ندیوں کی روانی، ان کی گنگناہٹ اور سرمدی نغموں سے کہ میرا کوئی خدا ہوگا اور اس کے نتیجہ میں مختلف خدا بنا لیتا ہے۔اور پھر انسانی سوسائٹی رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے ان خداؤں کو جمع کرنا شروع کر دیتی ہے۔وہ مختلف خدا تعداد میں گھٹنے لگتے ہیں اور انسانی شعور بالغ نظری تک پہنچتے پہنچتے سمجھنے لگتا ہے کہ اتنے خداؤں کی کیا ضرورت تھی چند کافی ہیں۔پھر کوئی تین پر آ کر اٹک جاتا ہے۔کچھ لوگ آگے قدم بڑھاتے ہیں اور ایک تک پہنچ جاتے ہیں۔پھر جب انسان اور زیادہ بالغ نظر ہو جائے تو اس ایک خدا سے بھی چھٹی کر کے تمام عقل کی سطح پر آ جاتا ہے۔یہ ہے مذہب کی تخلیق کا وہ نظریہ جو غیر مذہبی قومیں پیش کرتی ہیں۔

قرآن کریم اس آیت کے ذریعے اس سارے نظریے کو جھٹلا دیتا ہے اور دلیل اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے کہ دیکھو! یہ سارے قدرتی نظارے جو تمہارے نزدیک خداؤں کو جنم دینے والے ہیں، ہم ایسی جگہوں کو جو ان نظاروں سے بھر جاتی ہیں اگر چاہیں تو ان کو اپنی یاد سے خالی رکھ سکتے ہیں۔ کوئی ایک دل بھی ہماری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا ورنہ اگر یہ حقیقت ہوتی کہ یہ نظارے طبعاً خدا کو پیدا کرتے ہیں تو جہاں جہاں حسین مناظر دنیا میں نظر آئیں وہاں سب سے زیادہ خدا موجود ہونے چاہئیں۔ کیوں صحرائے عرب میں وہ جلوہ گر ہوتا ہے۔ کیوں فاران کی چوٹیوں سے اس کا مظہر اترتا ہے اور کیوں حسین وادیوں میں اس کا کوئی نام ونشان دکھائی نہیں دیتا۔ فرماتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں پاسکتیں۔ وہ آنکھوں کو پاتا ہے۔

اس میں ایک اور حسین طرز کلام یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں جو تصور تھا کہ نظر کسی چیز کو پکڑتی ہے یہ واقعتاً غیر سائنسی اور غیر حقیقی تصور تھا۔ چنانچہ قرآن کریم وہ پہلی کتاب ہے جو اس تصور کو جھٹلا رہی ہے۔ نظارے آنکھوں تک پہنچا کرتے ہیں۔ نظر نظاروں تک نہیں پہنچا کرتی اور جو نظارے آنکھوں تک نہ پہنچیں ان سے نظر غافل رہتی ہے خواہ نظارے غائب ہو جائیں، خواہ پردے حائل ہو جائیں، خواہ اور غفلتیں بیچ میں حائل ہو جائیں لیکن نظر کوئی چیز نہیں جب تک نظارے نظر کو نہ پکڑیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب باقی نظارے بھی خود نظر کو پہنچتے ہیں اور نظریں طاقت نہیں رکھتیں کہ چھلانگ لگا کر نظاروں تک پہنچ جائیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میری ذات کو نظر پکڑے جب کہ میری ذات ان نظاروں سے پس پردہ اور وراء الوریٰ ہے۔ میں چاہوں تو ان تک پہنچوں گا۔ میں نہیں چاہوں گا تو ان تک نہیں پہنچوں گا۔ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وہی ہے جو خود عقلوں اور فہموں تک پہنچتا ہے۔ وہی ہے جو بصیرت پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ خود انسانی بصیرت میں یہ طاقت کہاں کہ وہ اپنے رب کو پاسکے۔

اس مضمون کے بیان کرنے کے معاً بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بصیرت کس طرح انسان کو پہنچتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا ادراک کیسے ہوتا ہے اور خدا کس طرح جلوہ گر ہوتا ہے۔ فوراً اس مضمون میں داخل ہو جاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۵﴾ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

وہ بصیرت عطا ہو چکی ہے جس بصیرت کا خدا ذکر فرما رہا ہے۔ وہ خود نظروں پر جلوہ گر ہو چکی ہے اور بصیرت ہی نہیں بصائر یعنی بے شمار روشنیاں عطا ہو گئی ہیں۔ اب جس رنگ میں کوئی انسان چاہے خدا کو پانے کی مقدرت رکھتا ہے۔ فرمایا فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ ۚ پس جو چاہے اس نور اور روشنی سے فائدہ اٹھالے اور جو چاہے عَمِیَ عَلَیْھَا وہ اپنی آنکھیں اس سے اندھی رکھے، ان بصائر سے غافل رہے۔ وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ اور میں تم پر حفیظ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

یہ حیرت انگیز تصریف آیات ہے جس کی طرف میں خاص طور پر آج آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کیونکہ پھر اس کے معاً بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ کہ دیکھو کس طرح ہم آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اور اپنے رنگ بدلتے ہیں۔ اپنے اسلوب کو اچانک بدل دیتے ہیں۔ جب ہم اچانک اسلوب کو بدلیں تو یاد رکھنا اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس میں گہرے راز مضمر ہیں اور یہ خیال نہ کر لینا کہ (معاذ اللہ) غفلت کی حالت میں حضرت محمد ﷺ نے ضمائر کو پھیر دیا ہے۔ تصریف آیات کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ غائب ضمیر میں بات ہوتے ہوتے حاضر کی طرف توجہ ہو گئی۔ اس کی بات کرتے کرتے اپنی بات شروع کر دی۔ خدا کی باتیں ہو رہی ہیں۔ آنحضرتؐ کا ذکر ہی کوئی نہیں تھا اچانک اس میں آنحضرت ﷺ کا وجود داخل ہو جاتا ہے۔ یہ تصریف آیات کا ایک طریق ہے اور یہ ساری آیات جن کا میں نے ذکر کیا ہے تصریف کے مختلف پہلو اپنے اندر رکھتی ہیں۔

اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ (الانعام: ۱۰۰)

کہ وہی ذات ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا۔ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا ہم اس سے سبزی نکالتے ہیں۔ یعنی ابھی تو فرما رہا تھا کہ اس ذات نے پانی اتارا اور اچانک کہنے لگا کہ ہم اس سے سبزی نکالتے ہیں اس کو کہتے ہیں تصریف۔ یعنی تصریف کا ایک رنگ یہ ہے کہ ذکر ہو رہا ہے غائب میں اور اچانک خدا خود بیچ میں داخل ہو گیا اور اس نے گویا Take Over کر لیا۔ غائب سے اچانک حاضر میں جلوہ گر ہو گیا۔ اس تصریف کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ

غائب میں بات کر رہا ہوتا ہے تو اس سے انسان کی توجہ ایسے نظاروں کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہے جن کو دیکھنے کے بعد گویا خدا نظر آنے لگ جائے اور جب اس کیفیت تک دماغ پہنچ جاتا ہے تو اچانک وہ آپ آموجود ہوتا ہے وہ پھر غائب نہیں رہتا۔ کہتا ہے دیکھو! تم نے دیکھ لیا نا ہمیں۔ لو ہم تمہارے سامنے موجود ہیں۔ ہم اب تم سے باتیں کرتے ہیں۔ تصریف آیات کا ایک تو یہ طریق ہے۔ ایک دوسرا طریق وہ ہے جس کی طرف میں اس آیت کی رو سے توجہ دلانا چاہتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب کی طرف سے بصائر آ گئے۔ تمہیں دکھانے کے لئے حکمتیں عطا ہو گئیں۔ نور بصیرت عطا ہو گیا۔ حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لئے معارف تمہیں مل گئے۔ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ جو چاہے اب دیکھ لے وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا لیکن جو اس کے باوجود اندھا رہے گا تو اس کا نقصان اسی کو ہے۔ وہ اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکے گا۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ اور میں تم پر حفیظ نہیں ہوں۔ یہاں خدا کی بات چھوڑ کر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی بات شروع ہو گئی۔ گویا سارا کلام حضرت رسول کریم ﷺ کا کلام تھا۔

اب بظاہر ایک صرفی نحوی انسان جو جہالت کی آنکھ سے اپنے علم کو ہی غالب سمجھتا ہے وہ تو اس پر بڑا اعتراض کرے گا کہ یہ عجیب فصیح و بلیغ کلام ہے کہ ذکر ہو رہا ہے رب کریم کا پچھلے دو رکوعوں میں حضرت رسول اکرم ﷺ کا کہیں ذکر نہیں۔ ذکر چل رہا ہے خدا اور اس کی تخلیق کا۔ ان حسین مناظر کا ذکر ہے جو قدرت خداوندی سے ظاہر ہوتے ہیں اور بات اللہ کر رہا ہے کبھی ضمیر کو اپنی طرف پھیر کر کبھی غائب میں اپنا ذکر کر کے۔ یہ محمد مصطفی ؐ اچانک بیچ میں کہاں سے آ گئے۔ گویا وہ کہہ رہے ہیں کہ اب میں ہوں تمہارے پیغام کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ رہا ہوں جس طرح کوئی آدمی کسی Message یا کسی فریضہ کو Take Over کر لے اور پھر آگے سے اچانک بات شروع کر دے۔ یہ آیت اسی قسم کی تصریف کا منظر پیش کرتی ہے کہ خدا کا ذکر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی زبان سے جاری ہونے لگ جاتا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے اسی میں وہ جواب ہے جس کی میں تلاش کر رہا تھا۔ یہی وہ نکتہ ہے جس نے میری ساری الجھنیں دور کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بَصَائِر جو تم تک پہنچا کرتے ہیں وہ نبیوں کے ذریعہ پہنچتے ہیں اور نبیوں کے بغیر خدا کا کوئی وجود نہیں ہے جو تم پر ظاہر

ہو۔ اگر انبیاء کا رستہ چھوڑ دو گے، اگر یہ وسیلہ اختیار نہیں کرو گے تو پھر کائنات کا ذرہ ذرہ بھی حسن سے بھر جائے تمہاری آنکھیں اندھی کی اندھی رہیں گی۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ اور سب سے زیادہ بصیرتیں تم پر نازل ہو گئیں، کس شکل میں؟ اب بغیر بتانے کے کون داخل ہو گیا؟ بصیرت کا مجسمہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ وہ اس مضمون میں داخل ہو جاتے ہیں اور اچانک وہ کلام شروع کر دیتے اور فرماتے ہیں وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔ میں ہوں خدا کا نور، میں ہوں بصیرتوں کا وہ منبع اور بصیرتوں کا وہ مظہر اتم جس نے تمہیں بصیرتیں عطا کی ہیں وہ میں ہی ہوں۔ میں آ گیا ہوں۔ اب اگر چاہو اسلام قبول کر کے خود بھی بصیرت حاصل کرو اور دنیا کو بھی نور عطا کرو اور چاہو تو اس سے منہ موڑ کر اندھے کے اندھے رہو۔

اللہ تعالیٰ صرف یہاں پر بات ختم نہیں کرتا بلکہ اس سارے جھوٹے فلسفہ کا جواب ان آیات میں دیتا ہے جس کا میں نے اس خطبہ کی ابتدا میں ذکر کیا ہے۔ دنیا دار کہتے ہیں کہ شرک سے بات شروع ہو کر توحید پر جا کر ختم ہوتی ہے اور توحید بالآخر خدا کے انکار پر منتج ہوتی ہے۔ خدا بتا رہا ہے کہ حسن کے ذریعہ، حسن قدرت کے ذریعہ شرک پیدا ہی نہیں ہوا کرتا اور جب تک خدا کا برگزیدہ بندہ آ کر یہ دکھا نہیں دیتا کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی ذات موجود ہے۔ انسان کا تصور وہاں تک پہنچا ہی نہیں کرتا۔ وہ آتا ہے اپنے پیغام کو مکمل کر جاتا ہے، خدائے واحد سے بنی نوع انسان کا تعلق جوڑ جاتا ہے۔ جب وہ چلا جاتا ہے تو پھر شرک پھوٹتا ہے۔ پھر یہ مناظر خدا کی جگہ لے لیتے ہیں اور کئی جھوٹے خدا بن جاتے ہیں اور یہ شرک دہریت پر منتج ہوا کرتا ہے۔ توحید دہریت پر منتج نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ اس مضمون کو مکمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ (الانعام: ۱۰۸-۱۰۷)

کہ تو نے لوگوں کو خدا تک پہنچا دیا لیکن خدا تک پہنچنے کے بعد انسان پھر شرک میں مبتلا ہونے والا ہے۔ جب وہ تجھے چھوڑ دیں گے تو خدائے واحد کو بھی چھوڑ دیں گے۔ جب وہ تجھ سے روگردانی کریں گے تو خدائے واحد سے بھی روگردانی کریں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیا میں پھر شرک

پھیل جائے گا۔

غرض خدا تعالیٰ نے مشرکین کا ذکر فرما کر اس مضمون کو مکمل کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اے رسول! اس کی ذمہ داری تجھ پر نہیں ہے۔ تیرا کام تو اندھیروں سے نور کی طرف نکالنا ہے۔ تو نے اپنا یہ کام مکمل کر دیا۔ اب تو ان کا نگران نہیں ہے۔ پس خدا کے ذکر سے اچانک تصریف آیات ہوئی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کلام شروع کر دیا کہ میں تم پر حفیظ نہیں ہوں۔

ایک دفعہ ایک یہودی عورت کا بچہ قریب المرگ تھا۔ اس عورت کو یہ علم تھا کہ آنحضرت ﷺ کو اس بچہ سے پیار تھا۔ لوگ کہتے ہیں یہودیوں میں تبلیغ کیوں کرتے ہو۔ یہودیوں تک اسلام کا پیغام کیوں پہنچاتے ہو۔ جن یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے دشمنی کی ان سے زیادہ مغضوب تو دنیا میں کوئی یہودی نہیں ہوسکتا۔ ان سے زیادہ سخت دل اور شقی القلب تو کوئی یہودی نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود اس یہودی عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں جب یہ پیغام بھیجا کہ میرا بچہ قریب المرگ ہے۔ آپؐ کو اس سے پیار تھا اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسے بستر مرگ پر دیکھ لیں تو یہاں آ جائیں اس کو دیکھ لیں۔ اس کے دل میں یہ تمنا ہوگی کہ میرے بچے کا دل ٹھنڈا ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ پیغام سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے اس یہودی عورت کے گھر تشریف لے گئے۔ بچہ بستر مرگ پر پڑا تھا۔ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس کو اپنے قرب سے تسکین دی اور پوچھا بچے! کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ مسلمان ہو کر جان دو۔ صرف یہی تبلیغ کی اور یہی سیدھا سادھا کلمہ جو دل کی گہرائی سے نکلا تھا بچے کے دل میں جا کر ڈوب گیا۔ اس نے سر ہلایا کہ ہاں میں یہی پسند وں کرتا ہوں۔ چنانچہ کلمہ پڑھا اور جان دے دی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کو اتنی خوشی ہوئی کہ بار بار فرمانے لگے الحمد للہ۔ الحمد للہ۔ خدا نے مجھے ایک روح کو بچانے کی توفیق عطا فرما دی۔ (بخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ)

وہ جو ساری دنیا کی روحوں کو بچانے کیلئے آیا تھا جس نے ہم سب کی روحوں کو بچایا ہے۔ ہم اور ہمارے باپ دادے اور ہماری نسلیں ہمیشہ اس کی غلامی میں جھکی رہیں تب بھی اس کے احسانات کا بدلہ نہیں ادا کرسکتیں۔ وہ نور کامل جس نے بنی نوع انسان کو اندھیروں سے نکالا اور روشنی عطا کی، وہ جو سب دنیا کا محسن بنا اور محسن بنے گا، وہ جس کے دَر پر ایک نہ ایک دن ساری بنی نوع انسان لازماً حاضر

ہو گی اور اس کی توفیق سے اور اس کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رشد و ہدایت پائے گی۔ صرف ایک روح کے بچنے پر اس پیکر رحمت کے دل کی یہ کیفیت ہے اور اس پر اظہار شکر کا یہ عالم ہے کہ بار بار کہتے ہیں الحمد للہ الحمد للہ خدا نے مجھے ایک روح کو بچانے کی توفیق عطا فرمائی اور بچنے کے بعد اس بچے کو وقت کونسا میسر آیا؟ بس کلمہ پڑھا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔ صرف اتنی سی ہدایت تھی۔ صرف ایک لمحہ کی ہدایت تھی لیکن اس پر آنحضور ﷺ عبد شکور بنتے ہوئے اپنے رب کے حضور جھک جاتے ہیں۔

یہ ہیں ہمارے آقا و مولا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جن کی غلامی کا ہم نے دعویٰ کیا ہے۔ آپؐ ہیں بصیرتوں کے منبع اور ماویٰ اور مجمع۔ اب آپؐ سے سارے نور پھوٹیں گے جو خدا کی طرف لے جائیں گے۔

پس یہ وہ بصائر یعنی روشنیاں تھیں جن سے دنیا اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھی تھی۔ اب اگر ان نوروں کو جماعت نے اپنے تک روک لیا اور بنی نوع انسان اور محمد مصطفیٰؐ کے درمیان حائل ہو گئے تو یاد رکھیں اس وقت بنی نوع انسان اپنے رب کو کبھی نہیں پاسکیں گے۔ اور آپ لوگ اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ کیونکہ آپ کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ آج خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو دنیا میں قائم کرنے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کو دنیا سے منوانے کا فریضہ آپ کو سونپا گیا ہے اس لئے آپ اپنی نظروں کو سطحی نہ بنائیں۔ اپنی نگاہوں کو ان ظاہری مناظر کے پردوں تک نہ رہنے دیں بلکہ آگے بڑھیں۔ بلند نظری پیدا کریں اور حقیقت حال کو پانے کے لئے آپ خود پار اترنا سیکھیں اور اپنے رب تک پہنچنا اور بندوں کو رب تک پہنچانا سیکھیں۔ اس کے بغیر نہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی کا حق ادا ہو گا اور نہ اپنے رب کی عبودیت کا حق ادا ہو گا۔

یاد رکھیں جب قومیں خالق کائنات کو بھلا کر مخلوق کے حسن میں کھو جاتی ہیں تو پھر ان سے شرک پھوٹا کرتے ہیں اور جب ایسی قوموں سے شرک پھوٹتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اے رسول! تو نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ تو وکیل نہیں ہے۔ اب میں جانوں اور یہ لوگ جانیں جنہوں نے مجھے پانے کے بعد بھی مجھے کھو دینے کے سامان اپنے ہاتھوں سے کر لئے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے رب کی عبودیت اور حضور اکرم ﷺ

کی غلامی کا پورا پورا حق ادا کرنے والے ہوں۔ خدا ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم خدا کی وحدانیت کی حفاظت اپنی جانیں دے کر بھی کریں۔ اپنے اموال دے کر بھی کریں۔ اپنی عزت دے کر بھی کریں۔ اپنی عزیز ترین چیزیں قربان کر کے بھی کریں اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو قائم کرنے کے لئے شرک کی راہ میں کھڑے ہو جائیں اور شرک کو اسلام کے اندر داخل نہ ہونے دیں۔ ہم اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیں۔ لیکن توحید کے اس گہوارہ کو پھر دوبارہ بتوں کے گہوارہ میں تبدیل نہ ہونے دیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳ / جولائی ۱۹۸۳ء)